سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

سوانح و افکار



شورش کاشمیری

سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

سوانح و افکار

مطبوعاتِ چٹان

۸۸ میکلوڈ روڈ لاہور

فہرس

کی رفتار دیکھ کر فیصلے کرنا پڑتے ہیں وہ دل سے سوچنے کے عادی تھے ان کا جذبہ رفتہ رفتہ ضد بن چکا تھا اور اس ضد کو پروان چڑھانے میں بعض ایسے کوتاہ کار عناصر کی ایک خاص روش کا ہاتھ بھی تھا جو قربانی و ایثار، جذبہ و اعتقاد اور ایمان و اخلاص میں تو ان سے کوسوں پیچھے تھے لیکن اثر و رسوخ، دولت و ثروت اور جاہ و منصب میں منزلوں آگے تھے۔

ماضی مرحوم

احرار ۱۹۴۷ء میں بھی ۱۹۲۰ء (تحریک خلافت) کے زمانے میں گھوم رہے تھے۔ حالانکہ زمانہ چھبیس برس آگے نکل چکا اور دو قومی نظریہ پیدا ہو کر جوان ہو گیا تھا۔ ان کا اعتقاد ہنوز نظری سیاست پر [illegible] مسلمان عملی سیاست میں ڈوب چکے تھے۔ انہیں تاریخ کے اس عمل سے کوئی د[illegible] نہ تھا۔ کہ قوموں اور ملکوں کی سیاسیات میں خاص قسم کے معاشی حالات بھی حصہ دار ہوتے ہیں۔ یہی سبب تھا کہ مسلمان اعتقادات کی باتیں تو ان سے سن کر خوش ہوتے لیکن معاملات کے وقت ان کا رخ ان لوگوں کی طرف ہوتا جو ان کے حقوق و مراعات کا نام لیتے اور ہمسایہ قوم کی مسلمان آزادی کا ذکر چھیڑتے تھے۔ انگریز اسلام اور ملک دونوں کا دشمن تھا لیکن مسلمانوں کے ہاتھ اتنے بلند نہ تھے کہ وہ اس کی آستین سے دشنہ و خنجر نکال لیں۔ ان کی نگاہیں روزمرہ کے ان چھوٹے چھوٹے واقعات کو دیکھ کر خشمگین ہوتی تھیں جن کا سرچشمہ ہمسایہ قوم کے لوگ تھے۔

احرار اور لیگ

احرار کو غیر شعوری زعم تھا کہ وہ صورتاً یا سیرتاً اسلام سے قریب ہیں۔ ان کے ظاہر و باطن میں اس کے اثرات بھی تھے، لیکن لیگ کے راہنما مسلمان عوام کی روزمرہ کی زندگی میں گھس چکے تھے اور ان کی طبعی خواہشات کو متشکل کر کے اس کا نام پاکستان رکھ دیا تھا۔ پاکستان ابتداً ہندوؤں سے مسلمانوں کی اجتماعی ناراضگی کا اظہار تھا۔ رفتہ رفتہ ان کے اسلامی لیکن مادی تقاضوں کا مظہر ہو گیا۔ احرار پاکستان کے مجوزین کی طبقاتی سیرت اور سیاسی کردار کو زیر بحث

لا کر اپنے جائز خدشات کا منفی طریق سے اظہار کرتے تھے۔ انہیں اس سے غرض نہ تھی کہ مسلمان عوام کیا چاہتے ہیں وہ صرف اس سے بحث کرتے تھے کہ جن کی معرفت چاہتے ہیں وہ کون ہیں؟ چودھری افضل حق مرحوم نے انہیں آخری ایام زندگی میں متنبہ بھی کیا تھا کہ پاکستان کی مخالفت نہ کرنا دکھی دلوں کی فریاد ہے لیکن ان کی جذباتی سیاست نے اپنے ہی قائد کی بات کو آویزۂ گوش بنانے سے گریز کیا۔

وجہِ مغائرت

ضدیوں پیدا ہوئی کہ لیگ کے دولت مند اکابر ان کی غریبی پر طعن توڑتے اور انہیں ہندوؤں کا زر خرید کہتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ایک سجادل گالیوں کی اجتماعی یلغار سے بگڑے گا۔ پھر یہ بگاڑ اس صورت میں اور بھی مضبوط ہوتا ہے جب گالی دینے والا خود گالی ہو اور الزام لگانے والا فی نفسہٖ الزام ہو۔ احرار نے کس مپرسی، غصے، جھنجھلاہٹ اور ضد میں پاکستان کے ملی موقف کی اہمیت کو نظر انداز کر کے نہ صرف لیگ کے رہنماؤں سے محاذِ جنگ قائم کر لیا بلکہ اس وقت انتخاب میں کود پڑے۔ جب قومی مستقبل کے سوال پر محض انتخاب ہی نہیں استصواب ہو رہا تھا۔

۱۹۴۶ء کے انتخاب میں حصہ لینا احرار کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ بعض اجزائے جماعت نے ضد میں آکر یونینسٹوں کا ہاتھ بٹایا۔ جس سے احرار کے اجتماعی وقار کو سخت دھکا لگا لیکن اس میں عام احرار یا اکابر احرار کا کوئی حصہ نہ تھا۔ چودھری صاحب کی موت کے بعد احرار کے قائد مولانا مظہر علی اظہر تھے جن کا انفرادی ذہن احرار کا جماعتی ذہن سمجھا جاتا تھا — چونکہ احرار راہنماؤں میں سیاسی اصولوں کے بجائے ذاتی دوستیوں کا میلان ہی غالب رہا اس لئے ایک کی بات پر سب طوعاً یا کرہاً سر جھکا دیتے تھے — شاہ جی "انتخابی یدھ" میں حصہ لینے کے سخت خلاف تھے جب جماعت کا فیصلہ ہوا اور مولانا مظہر علی اظہر نے پہلی انتخابی تقریر کی تو شاہ جی سری نگر میں تھے۔ مولانا کی تقریر کے ایک ماہ بعد لاہور

تشریف لائے تو نہ صرف انتخاب لڑنے کے فیصلے پر ناراض ہوئے بلکہ مولانا مظہر علی اظہر سے اپنے مخصوص انداز میں فرمایا کہ آپ نے سیاسیات میں ذاتیات کو لاکر ایک بڑی مثال قائم کی ہے، براہِ کرم آئندہ اس موضوع سے پرہیز کیجئے"۔۔۔۔ اب یہ کوشش کی گئی کہ شاہ جی بھی انتخابی مہم میں حصہ لیں۔ شاہ جی نے یونینسٹوں پر تو تبرّیٰ بھیجا لیکن اتنا بہ منت راضی ہو گئے کہ صرف آزمودہ احرار اُمیدواروں ہی کے حلقہ ہائے انتخاب میں جائیں گے۔ اس زمانے میں آپ نے جو تقریریں کیں اس میں مستقبل کے خدشات بالتفصیل بیان کئے لیکن رنگینی و شیرینی کا وہ انداز ناپید ہی رہا جو زبان و دل کے متحد ہونے سے پیدا ہوتا ہے ؎

ہزار خوف ہوں لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

انتخاب میں احرار کو متوقع شکست ہوئی ان کا ایک اُمیدوار بھی کامیاب نہ ہو سکا۔ تھوڑے دنوں بعد شاہ جی کو بعض ناگفتہ بہ حقائق کا پتہ چلا تو سخت دل برداشتہ ہوئے بلکہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

ادھر وزارتی مشن ہندوستان پہنچ چکا تھا۔ احرار راہنماؤں کا وہ قبیلہ جس کی دوستی قابلِ رشک سمجھی جاتی تھی اپنے اندرونی اختلافات کے باعث بٹنے اور بکھرنے لگا۔ مولانا ظفر علی خاں اور غازی عبدالرحمٰن ۱۹۳۱ء ہی میں الگ ہو گئے تھے، وہ صرف نیو اُٹھانے میں شریک ہوئے تھے اور بس، تحریک شہید گنج کے بعد مولانا داؤد غزنوی نے بھی ذہنی علیحدگی اختیار کر لی اور ۱۹۴۰ء کے وسط میں کانگرس میں چلے گئے۔ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے رہا ہوتے ہی شملہ کانفرنس کے موقع پر اعلان کر دیا کہ ان کے لیڈر مولانا ابوالکلام آزاد ہیں۔ احرار سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ تقسیم ہندوستان کے بعد انہوں نے دہلی میں مستقلاً سکونت اختیار کر لی اور بھارتی شہری ہو گئے۔ ۱۹۶۰ء میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ مولانا مظہر علی اظہر نے ۱۹۴۷ء کے شروع میں احرار سے استعفیٰ دے دیا اور

نہ تھا وہ زیادہ تر پنجاب تک محدود تھے اور ان کے پیروکار عموماً اوفیٰ درمیانے درجہ کے شہری لوگ تھے۔

۲۔ ان میں سیاست کی یک رنگی کے بجائے رفاقت کی ہم رنگی کا جذبہ کارفرما تھا۔

۳۔ داخلی طور پر ان میں خیالات کا ٹکراؤ بھی تھا لیکن اینٹی برٹش ذہن کی مشترکہ چھاپ نے انہیں متحد کر رکھا تھا۔

۴۔ جن طاقتوں کے خلاف صف آرا تھے ان کی مختلف الاصل جارحیت کے خلاف مذہبی زبان میں سیاسی اثر پیدا کرتے تھے۔

۵۔ مسلم لیگ کے فروغ سے پہلے اور خلافت کمیٹی کی رحلت کے بعد ہندوستان کے شمال مغربی مسلمانوں میں مضبوط ترین عوامی جماعت تھے اُن کا واحد پروگرام انگریزی حکومت کا خاتمہ تھا۔

۶۔ ان کا جماعتی وجود کانگرس اور جمعیت العلماء کی منشا کے خلاف تھا اور یہ دونو جماعتیں احرار سے کسی حال میں بھی متفق نہ تھیں، مگر کئی احرار راہنما کانگرس اور جمعیت العلماء کے ذہن کی سفارت کرتے۔ مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حسین احمد مدنی سے ایک گونہ عقیدت رکھتے اور ان کی ذات کے لئے نبرد آزما ہوتے تھے۔

۷۔ انہوں نے ہندوستان کی قومی تحریک میں للہی جذبے سے بے مثال قربانیاں کیں حتیٰ کہ اپنی عمروں کا بیشتر حصہ جیلوں میں گلا دیا۔ لیکن کانگرس اور لیگ دونوں نے صرف نفرت کا صلہ دیا۔ جب وہ برطانوی حکومت کے خلاف کانگرس کے ذہن کی تائید کرتے تو مسلمان بدکتے جب مسلمانوں کے حقوق کے لئے آواز اٹھاتے تو کانگرسیوں کو ناگوار گزرتا اور جب مدح صحابہ ایسی تحریک میں رہنمایانہ حصہ لیتے تو غیر مسلک مسلمانوں میں مذہبی دیوانگی کے سزاوار ہوتے۔ الغرض انگریز، ہندو اور مسلمان تینوں اپنے دوائر میں ان کے خلاف تھے۔

۸۔ احرار کسی خاص فکر ہی تحریک کے مظہر نہ تھے، مگر ایجی ٹیشن برپا کرتے اور پروپیگنڈا

رچانے کے فن میں بے مثال تھے۔

۹۔ ان کے نظریات میں روحانی تضاد تھا مثلاً سیاست میں اینٹی برٹش ذہن کے وارث، مذہب میں حکومت الٰہیہ کے مبلغ، ثقافت میں اسلامیات کے دلدادہ، معاشیات میں دولت کی برابر تقسیم کے داعی، غرض ان کی تقریروں کا لب لباب قرآن وحدیث اور تاریخ و سیرت کا مرکب ہوتا اور مذہب ہی کے نام پر مسلمانوں سے مخاطب ہوتے۔

۱۰۔ انہوں نے احتجاجی سیاسی ذہن پیدا کیا لیکن تنظیم نہیں۔ چودھری افضل حق مرحوم سے زندگی وفا کرتی تو ممکن تھا وہ تنظیم کو خدائی خدمت گار تحریک کے ہم پایہ بنا لیتے لیکن ان کی موت کے بعد جماعت کا یہ پہلو کمزور ہو گیا۔ شاہ جی جوڑ توڑ کے آدمی نہیں تھے وہ ایک رواں دواں انسان تھے۔

۱۱۔ احرار نے ساری زندگی شہروں یا قصبوں کو اپنی جدوجہد کا مرکز بنائے رکھا۔ دیہات کا رُخ دیر بعد کیا لیکن تبلیغی حیثیت سے! مرزائیت کے خلاف، اصلاح الرسوم اور بدعات کی بیخ کنی کے لیے یا پھر سیرت کے جلسوں میں!
شاہ جی مدت تک لوگوں کو السلام علیکم کہنا سکھاتے رہے۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج کے مسائل پر مسلسل وعظ کیے مگر لوگوں کے معاشی یا مجلسی مسائل کو تنظیمی اعتبار سے چھوا تک نہیں البتہ پنجابی مسلمانوں کو تجارت کی راہ پر لانے میں شاہ جی اور احرار نے عظیم خدمات انجام دیں۔

۱۲۔ احرار میں قربانی، احتجاج، حوصلہ اور خطابت کا جوہر وافر تھا، لیکن فکر، نظر کسوٹی اور قیادت کا تناسب مقابلتہً کمتر تھا۔ انہوں نے زمانے کے مطابق چلنے سے ہمیشہ گریز کیا ان میں سپاہی ہی سپاہی ہی سپاہی تھے لیکن مدبر الشاذ کالمعدوم ——— وہ ہنگامہ کے ایک لمحہ کو مصلحت کی سو سالہ زندگی پر ترجیح دیتے تھے۔ وہ میدان میں بلا کے لڑ دیتے تھے لیکن ہزار شیوہ سیاست دان نہیں تھے۔

۱۳ - ان کی سب سے بڑی کمزوری وسائل کا فقدان تھا جو کچھ تھے اپنے ہی اندر تھے، ان کی "سپلائی لائنیں" خارج میں نہ تھیں۔ وہ فقر و فاقہ اور جوش و غضب کا ہراول دستہ تھے۔

۱۴ - انہیں امراء کے ذہن سے حد درجہ تنفر تھا اس تنفر ہی کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے تحریک پاکستان کو عوام کی بجائے خواص کے آئینہ میں دیکھا اور یہ ہمیشہ اس بات پر زور دیتے رہے کہ:

"جن لیگیوں اور کانگرسیوں کو سیاسی اور اقتصادی مساوات سے گھن آتی ہے وہ مش لیں کہ وہ ہمارے دینی بھائی ہیں، نہ وطنی۔ وہ لیڈروں کا ذہن رکھتے ہیں ان کا اور احرار کا ساتھ نبھ نہیں سکتا ــــ ہم سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ تم تقسیم ہند کے قائل ہو؟ ہم اس سوال کا جواب دینے سے قبل سائل سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ تم دولت کی منصفانہ تقسیم کے قائل ہو؟ اگر قائل ہو تو پھر ہندوستان ایک طرف رہا ہم شہروں کی تقسیم کے بھی قائل ہیں لیکن ہم اس کے سخت خلاف ہیں کہ لاکھوں مسلمانوں کی قربانی دے کر کسی یزید جیسے مسلمان کے لئے تخت سلطنت بچھایا جائے۔" (تاریخ احرار صفحہ ل م) جان گنتھر کے نزدیک احرار مذہبی اعتبار سے فرقہ پسند فدائی اور سیاسی اعتبار سے انتہا پسند سیاستین تھے (دور حاضر کا اسلام) لیکن ماڈرن اسلام ان انڈیا ــــــــ کے مصنف مسٹر ولیفریڈ سی سمتھ کا خیال تھا کہ احرار ہندوستان ہی نہیں بلکہ دنیائے اسلام کی پہلی مسلم سوشلسٹ تحریک ہیں"۔

ان محاسن و معائب کے پس منظر میں احرار کی پوری تاریخ سامنے آجاتی ہے افسوس ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی اتنی بڑی تحریک کس بے دردی سے برباد ہوگئی۔ ــ تاہم ایک مورخ واقعات کی چھان پھٹک کے بعد اس نتیجہ پر ضرور پہنچتا ہے کہ احرار نے جس ذہن کی آبیاری کی اس کی بہت سی شاخیں ثمرآور ہوئیں، مثلاً

۱ - مسلمان نوجوانوں کی ایک بڑی جماعت میں خلاف سامراج ذہن پیدا کیا جو پختہ ہو کر ان کی فطرت ہو گیا۔ اس سے متاثر ہونے والے زیادہ تر درمیانے درجے کے مفلوک الحال